بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

آئیے، تھوڑی دیر کے لیے اپنے اوپر حالتِ اعتکاف طاری کریں اور ایک فکری مکاشفے کا سروسامان کریں۔

انتخابات کا طوفان تیز دور گذر چکا۔ پانی اتر گیا ہے اور رونت کا دھارا حسبِ سابق پایاب ہوگیا ہے۔ اب سب لوگ ــــ طوفان اٹھانے والے بھی اور طوفانی موجوں سے لڑنے والے بھی ــــ ساحل پر لوٹ آئے ہیں۔ جو کچھ حالات گذرے وہ بھی اب واضح ہیں، اپنی تاسنت بھی سامنے آگئی ہے، کامیابیوں اور ناکامیوں کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ بھی بخوبی لیا جا سکتا ہے۔ نیز اپنی قوت کے سرمایے کے شعور کے ساتھ ساتھ اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا حساب لگانا بھی اب آسان ہو گیا ہے۔ امتحانی معرکے یہی افادیت اپنے اندر رکھتے ہیں کہ وہ قوموں اور حکومتوں، تحریکوں اور جماعتوں بلکہ افراد کے سامنے بھی ان کی خوبیوں اور خرابیوں کا نقشۂ حساب تاریخ کی دیوار پر چسپاں کر دیتے ہیں۔ جو قوتیں اپنے متعلق نوشتۂ دیوار کو بغور پڑھتی ہیں، وہی آگے بڑھتی ہیں۔ جو اسے نظر انداز کر کے خوش خیالیوں اور مغالطہ آمیز تاویلوں سے سرشار رہتی ہیں مشیت بھی انہیں نظر انداز کر دیتی ہے۔

اس وقت موقع نہیں کہ میں میزانیۂ نفع و نقصان کرنے میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔ البتہ بعض دوسری متعلقہ اصولی حقیقتوں کو سامنے لانا چاہتا ہوں، جن سے اگر روشنی لی جائے تو تجزیۂ احوال زیادہ آسان ہو جائے گا اور زیادہ صحیح بھی ہوگا۔

۲۔ احتسابی کے لیے پہلا سوال یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی کام کیا ہے وہ خدا کے راست باز اور وفا شعار بندوں اور اس کے ہمہ وقتی کارندوں کی حیثیت سے کیا ہے؟

کیا ہمارے ضمیر پہلے بھی پوری طرح مطمئن تھے کہ یہ کام ہمیں کرنا ہے اور کیا اب اس سے عہدہ برآ ہونے کے بعد ہمیں تسلی ہے کہ ہم نے جو محنت و کاوش کی وہ برحق تھی؟

کامیابی کی صورت میں بھی اور ناکامی کی صورت میں بھی یا کم کامیابی اور زیادہ ناکامی کی صورت میں بھی۔ کیا ہمیں اپنے نظریے، مقصد، طریقِ کار اور سیاسی جدوجہد کے متعلق کسی قسم کا شک و اشتباہ نہیں ہے؟

اگر ایسا ہے — اور جس جس فرد کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اپنی مخلصانہ خدمات اللہ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے بعد راضی مطمئن ہے، اس کے ہر اقدام، ہر ملاقات، ہر گفتگو اور خرچ کیے ہوئے ہر پیسے کے لیے نیک جزا ہے۔

یہ تو ایک ڈیوٹی تھی جو دین کی طرف سے عاید تھی، جس جس نے اسے اخلاص و اعتماد کے ساتھ بخیر و خوبی انجام دیا اس نے اپنے مالک کی رضا حاصل کر کے بہت بڑی کمائی کر لی اور آئندہ کے لیے وہ اور زیادہ ذمہ داریاں ادا کرنے کے قابل ہو گیا۔

اور اگر کسی کے دل میں شک اور پریشانی کے کانٹے چبھ گئے ہوں تو اس کی نجات اسی میں ہے کہ وہ آرام سے بیٹھ کر ان کانٹوں کو نکالے۔

دل لگا کر سوچنے کا ایک سوال یہ ہے کہ کیا ہم نے ادارۂ سیاست کی اصلاح یا انقلابِ قیادت کے کام کو آسان اور قلیل المیعاد سمجھ رکھا ہے؟

اگر ایسا تاثر دلوں میں موجود ہو تو اسے نکال دینا چاہیے۔ کیونکہ ہمارے سامنے جو مزاحم قوت کھڑی ہے وہ کسی قلعے کی سنگین فصیل کی طرح مضبوط ہے اور اس فصیل کی برجیوں میں بھاری اسلحہ کے ساتھ دیدبان بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہمارے سیاسی نظام پر نہ صرف پاکستان

بننے کے وقت سے، بلکہ اس سے قبل کے انگریزی دور سے سرمایہ داروں، جاگیرداروں وڈیروں، رسہ گیروں اور جرائم پیشوں کا ایک پکا محاذ بنا ہوا ہے۔ بدقسمتی سے ہر قسم کے مفاد پرست لوگ اور لادینیت پسند مغرب زدہ عناصر (جن میں کمیونسٹ اور سوشلسٹ بھی شامل ہیں)، اس محاذ کے ساتھ آسانی سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ غلامی کے دور کی تربیت یافتہ، خیانت کار بیوروکریسی جس کے ہاتھ میں ملک کی انتظامی مشینری ہے، ایک منظم جماعت بن کر سازشی طریقوں سے متذکرہ محاذ سے گٹھ جوڑ کر لیتی ہے۔ چنانچہ دولت، جرم، مفاد پرستی، لادینیت پسندی اور بیوروکریسی کے اسی محاذ کا قبضہ پاکستان بننے سے پہلے بھی سیاست پر تھا اور اسی کا قبضہ آج بھی ہے۔ کوئی بھی دور ہو اور کیسے بھی حالات ہوں، قیادت اور نمائندگی کے مناصب پر اسی محاذ کے چہیتے ہر بار نمودار ہوتے ہیں[1]۔ حالیہ انتخابات میں کھڑے ہونے والوں کی فہرست بنا کر ان کا "شجرۂ نسب"

---

[1] پچھلے کچھ عرصے سے بڑے چرچے تھے کہ "اسلامی انتخاب" ہوگا اور مخالفِ اسلام نظریات رکھنے والے اور غلط کردار کے لوگوں کو آگے نہیں آنے دیا جائے گا۔ اور ان باتوں سے دینی حلقوں میں کچھ خوش فہمی بھی تھی۔ لیکن ساری خوبصورت باتیں ہوا ہو گئیں۔ حتیٰ کہ شناختی کارڈ کی پابندی کے اعلانات بھی ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ بات وہیں پہنچ گئی جہاں مذکورہ محاذ کے مفاد کا تقاضا تھا۔ آج کتنے ہی ایسے لوگ میدان میں ہیں جن کو قومی محاسبے کے لیے نامزد کیا گیا تھا، کتنے ہی وہ ہیں جو جرائم کی وادیاں پار کر چکے ہیں۔ پھر پیپلز پارٹی کے کثیر التعداد افراد ہیں، ایکٹر اور کھلاڑی ہیں۔ یہاں جو گھن چکر بنا ہوا ہے اس سے باہر نکل کر قوم کو کسی صحت مند سیاسی راستے پر ڈالنا فی الحال کسی بڑے سے بڑے مردِ جری اور اسلام کے کسی عظیم ترین نعرہ باز سے بھی ممکن نہیں ہے۔ آج تک کسی نے نہ اس گھن چکر کو چھیڑا ہے اور نہ اوپر آنے والوں میں سے کوئی اسے چھیڑنے کا خیال بھی کر سکتا ہے۔ تمام انتخابی قواعد اور ان کے تحت جعل سازی اور بدعنوانی کرنے کے معروفِ عام راستے اور ان کی روک تھام کے لیے بے نتیجہ ضابطے اور یقین دہانیاں فی الحال اسی طرح (باقی بر صفحہ آئندہ)

دیکھ لیجیے۔ یہ بھی ذہن نشین رکھیے کہ عالمی قوتیں بھی اس محاذ کو مسلط رکھنا چاہتی ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ انگریزی سامراج سے نجات جتنی مشکل سے ملی اُس سے پچاس گنا مشکل سے ہمیں متذکرہ محاذ سے نجات مل سکتی ہے۔[۱]

ہم لوگ جب اصلاحِ سیاست اور انقلابِ قیادت کے لیے اُٹھتے ہیں تو اس محاذ کے پھیلاؤ اور اس کی مضبوطی کا صحیح اندازہ بھی نہیں کر سکتے اور اس میں رخنے پیدا کرنے کے لیے کوئی ایسا نقشۂ کار بھی ہمارے سامنے نہیں ہوتا جو حقیقی طور پر مؤثر ہو سکتا ہو۔ انتخابات بھی ہمارے ساتھی ہر حلقے میں یوں محسوس کرتے ہیں کہ کسی خاص شخص یا اشخاص سے مقابلہ درپیش ہے اور اس مقابلے کے لیے اچھا کردار اور اچھا منشور فیصلہ کن ذریعہ ہو سکتا ہے۔ عزائم کی یہ محدودیت اور نگاہوں کا یہ ارتکاز اس امر میں

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

رہیں گی۔ شرافت اور دیانت کو جو بھاری مشکلات ان وجوہ سے پہلے درپیش تھیں وہی آئندہ رہیں گی۔ اس وقت تک جب تک اس گھن چکر کو توڑنے کے لیے کاری وار کیے جائیں۔

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[۱] خیال اس بات کا بھی رہے کہ اہلِ قوت و اثر میں سے کوئی عنصر بھی بحیثیت مجموعی ایسا نہیں جس کے دل کے دروازے داعیانِ اقامتِ دین کے لیے کھلے ہوں، حتیٰ کہ جن کے دم سے اسلام کا بڑا غلغلہ ہے وہ چاہے حکومت کے ایوانوں میں ہوں یا مسجدوں میں وعظ فرماتے ہوں یا بستی بستی گلی گلی تبلیغ کرتے پھرتے ہوں، سب کے سب ہمارے خلاف متحد الخیال ہیں۔ خاص طور پر اربابِ حل و عقد میں سے جن جن کی زبانوں سے اسلام کے قصیدے سُن کر یا نماز، روزے، تراویح اور حج و عمرہ کی ادائیگی دیکھ کر ہمارے جذبات کے پھول کھِل اُٹھتے ہیں وہ بھی دنیائے سیاست میں برائے نام حد تک ہمارا وجود برداشت کرنے کے روادار ہیں، مگر اس کے سخت مخالف ہیں کہ قوت و اثر میں ہمارا کوئی دخل ہو۔ انتخابی عمل میں ہماری ناکامی ان کا عین سرمایہ مسرت ہے۔

رہ کا دٹ بن جاتا ہے کہ ہم ہمہ گیر سیاسی معرکے ۔ ییے خطوطِ عمل تجویز کر سکیں اور لمبی محنت سے مختلف حلقوں میں اتنی عوامی قوت کو پہلے سے تیار کر کے سامنے لے آئیں کہ ہر بار چند بڑے بتانِ قیادت کو استھانوں سے گرایا جا سکے ۔ محض چند سیٹیں حاصل کر لینا باعثِ اطمینان نہیں ہونا چاہیے ۔

کرنے کو جو کچھ کیا جائے، یہ ایک لمبی لڑائی ہے اور محنت و قربانی کی بڑی مقدار مانگتی ہے ۔ محض جلسوں اور پوسٹروں کے بل پرا سے جیتنا ممکن نہیں ۔ پھر ہمارے بھار مقصد کے لحاظ سے عوامی حلقوں میں ہمارا سیاسی و انتخابی کام متعدد کمزوریاں رکھتا ہے ۔ اسی طرح مزاحم قوت کے مستحکم قلعے کی موجودگی، انتخابی ماحول اور قواعد و ضوابط کی ناسازگاری کے ساتھ جب ہماری اپنی کوتاہیاں شامل ہو جاتی ہیں تو نتائج پریشان کرتے ہیں ۔

اس طولِ کلام کا مدعا یہ واضح کرنا ہے کہ اصلاحِ سیاست اور انقلابِ قیادت کا کام بھاری ہے، لمبا ہے، مشکل ہے ۔ اس راہ پر ہر بار چار قدم چلنے کے بعد سوچنا کہ "ابھی منزل کیوں نہیں آئی" یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم چھوٹے حوصلوں کے ساتھ اور مختصر سا ٹائم ٹیبل سامنے رکھ کے چلے ہیں ۔

اب بھی کامیابی و ناکامی کی مقدار سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی مہم کے بھاری بھرکم پن کو اچھی طرح محسوس کریں اور جمہوری راستے سے انقلابِ قیادت برپا کرنے کے طویل عمل کی رفتار بڑھانے کے لیے بہتر نقشۂ کار بھی تیار کریں اور حوصلوں کو بلند، عزم کو محکم اور صبر و استقامت کی قوت کو اور زیادہ مؤثر بنائیں ۔

متذکرہ نقشۂ کار کے خطوط آئندہ واضح کیے جائیں گے ۔

اہلِ ایمان کے لیے کامیابی بھی آزمائش ہے اور ناکامی بھی ۔ اس آزمائش سے اگر صحیح طور پر عہدہ برآنہ ہوا جائے تو کامیابی بھی وجہ خرابی بن جاتی ہے اور ناکامی بھی ۔

کامیابی مجموعی ہو یا جزوی، ہر حال میں وہ اپنے اندر خطرات رکھتی ہے۔ سب سے پہلے تو کامیابی کا وہ نشہ ہوتا ہے جو خدا کے شکر کی جگہ الٹا فخر و کبر پیدا کر دیتا ہے۔ کامیابی میں وہ طرب کی کیفیت ہوتی ہے کہ آدمی کی نگاہیں اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو دیکھ ہی نہیں پاتیں۔ اس طرح بسا اوقات خود کامیابی آئندہ کی ناکامیوں کا سبب بن جاتی ہے۔

اسی طرح اگر اقامتِ دین کے لیے جہاد مسلسل کرنے والی قوت کو ایک مرتبہ نہیں، دس مرتبہ بھی ناکامی پیش آئے، اس کا اثر وھن و حزن اور یاس و قنوط کی صورت میں نمودار نہیں ہونا چاہیے۔ تیمور بار بار کی ناکامیوں اور پریشانیوں کی وجہ سے جب انتہائی دوں ہمتی میں گھرا ہوا تھا تو اس نے دانہ منہ میں لے کر دیوار پر چڑھتی ہوئی کسی چیونٹی کو بیسیوں بار گرتے دیکھا اور پھر یہ دیکھا کہ آخر ایک ہلے میں اس نے دیوار کی بلندی کو فتح کر لیا۔ تیمور نے جو سبق چیونٹی سے لیا تھا اس سے زیادہ روشن اور واضح اور موثر اسباقِ عزم انگیز قرآن کے اوراق میں موجود ہیں۔ اگر قرآن کے علمبردار ہی بلند ہمتی کے ان اسباق سے استفادہ نہ کر سکیں تو پھر کون ان کی ہمت بندھائے گا۔

معرکہ ہائے حق و باطل میں اہلِ حق کو جسمانی یا مادی یا واقعاتی طور پر جو شکست ہوتی ہے وہ زیادہ خطرناک نہیں ہوتی، لیکن جب شیطان نظریہ و اعتقاد اور قوتِ ارادی اور ذوقِ معرکہ آرائی کو قنوطیت کے حربے سے باطنی شکست دے دیتا ہے تو پھر عمل کی قوتیں ایسی مفلوج ہوتی ہیں کہ آئندہ بھی فتح کا کوئی دروازہ نہیں کھولا جا سکتا۔

پس شیوۂ مردانِ حق یہی ہے کہ لا تفرحوا علیٰ ما اٰتکم ولا تحزنوا علیٰ ما فاتکم۔

معرکوں کے بعد یہ جائزہ لینا بہت ضروری ہوتا ہے کہ کیا کھویا کیا پایا۔ جیسے جنگ کے بعد یہ حساب بھی لگایا جاتا ہے کہ مفتوحہ علاقے کی سرحدیں کتنی

کم یا زیادہ آگے بڑھیں، یا خدانخواستہ پیچھے ہٹیں، یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ حاصل شدہ مالِ غنیمت کی فہرست کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی جائزہ لیا جاتا ہے کہ کتنے افراد کھیت رہے، یعنی کشمکش کے دوران میں یا اس کے اثراتِ مابعد کے تحت تحریکی لحاظ سے بے جان ہو گئے، کتنے لوگ ایمان و عزم کے لحاظ سے زخم خوردہ ہیں۔ کس کس کو کتنے گہرے یا ہلکے زخم آئے ہیں اور ان کے لیے صورتِ چارہ گری کیا ہے؟

جائزہ اس بات کا بھی لینا ہے کہ سیاست کے بگولوں میں گھر کر کہاں کہاں دینی و اخلاقی معاملات میں غفلت ہوئی؟ جانبداری رو میں کیا کیا غلط قدم اٹھائے گئے؟ بگڑی ہوئی سیاست کی آلائشوں سے دامن کہاں تک آلودہ ہوئے؟ ہمارے ایمانی و اخلاقی اور دستوری روایاتی معیار کہاں کہاں گرے ہیں؟ خلق کی طرف بھرپور توجہ کرنے کے دور میں خدا سے معاملہ کیسا رہا۔

کیا کسی نے محسوس کیا کہ اس کے دل میں ذاتی سطح پر ہوسِ اقتدار پیدا ہوئی؟ کیا وہ خود اس میدان میں آگے بڑھا یا اس نے یہ چاہا کہ بعض لوگ اسے آگے بڑھائیں؟ کیا ووٹروں کو خوش کرنے کے لیے کھوکھلی مبالغہ آمیز اور غیر حقیقت پسندانہ باتیں کی گئیں؟ کیا نامعنی قسم کے نعرے لگائے گئے؟ کیا ایسے وعدے کیے گئے جن کے پورا کر دکھانے کا خود بھی گمانِ غالب نہ ہو؟ کیا حریفوں کے لیے بدگمانی سے کام لیا گیا؟ کیا پولنگ کے عمل میں کسی طرح کی بدعنوانی کی گئی؟ کیا کسی فریق کے ساتھ معاہدہ کر کے اسے توڑا گیا؟

اگر ایسی کسی بھی چیز کا اپنے اندر یا اپنے ساتھیوں میں سراغ ملا ہو تو اسے لازماً سامنے لا کر اس کی اصلاح کی جائے۔ غلطی کرنے والا خود احباب کے سامنے اعتراف کرے اور خدا کے حضور ہر آلائش سے نجات پانے کے لیے توبہ کرے اور کسی نہ کسی شکل میں کفارہ دے۔ محض لیپاپوتی سے کام نہ لیا جائے اور غور و بحث کا انداز بھی نزاعی نہ ہونے پائے۔ تمام باتیں اجتماعیت کی روشنی میں آئیں اور سب مل کر ان کا ازالہ کریں۔

پچھلے معرکے کے جو کچھ بھی نتائج نکلیں، اچھے ہوں تو اُن پہ اترائے بغیر اور امیدوں امنگوں سے کم یا بہت ہی کم ہوں تو ان پر حزن و یاس میں ڈوبے بغیر، آئندہ کے لیے کام کی بہتر منصوبہ بندی کر کے زیادہ مضبوط ارادوں کے ساتھ اقدام تازہ کی تیاری کرنی چاہیے - زندہ قوموں اور زندہ رہنے والی قوموں کا مسلک یہی ہے - محض سابقہ کامیابیوں سے بدمست رہنا یا ناکامیوں پہ بسورتے رہنا قوت و ترقی کا سفر ختم کر دینے کے مترادف ہے -

ہمارے سارے کام کا انحصار اس پہ ہے کہ خدا سے تعلق اور خلقِ خدا سے تعلق کے لحاظ سے ہم کہاں کھڑے ہیں - اگر معاملہ اُدھر بھی کم سے کم معیار تک کا ہو اور اِدھر بھی واجبی ہی سا رہے تو کوئی بڑا کام تو ہونے کا نہیں، خواہ چالیس سال لگے رہیے یا سو سال -

سوال یہ نہیں کہ مسلمان ہونے کی کم سے کم ضروری شرائط کیا ہیں، بلکہ یہ ہے کہ اقامتِ دین کے داعیوں یا بندگانِ خدا کو اسلامی خطوط پہ اصلاح و انقلاب کا درس دینے والوں کا کم سے کم کیا معیار ہونا چاہیے - اس معیار کو سرسری قسم کی گفتگوؤں یا ڈھلی ڈھلائی تقریروں یا اسٹریوٹائپ پمفلٹوں اور مضمونوں سے پورا نہیں کیا جا سکتا - اس کے لیے باطن کی تبدیلی ضروری ہے اور قلب و ذہن میں ایک جاندار اور غیر زوال پذیر حرکت پیدا ہونی چاہیے -

---

آخر میں ایک ضروری انتباہ!

ہر بڑے ہنگامۂ کار، خصوصاً کسی کشمکش سے نکلنے کے بعد دُنیا پرست جماعتوں میں ایسی تند و تیز بحثیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ تا دیر داخلی آویزش کام کرتی رہے - بعض اوقات کامیابی کے غلط وجوہ کی حمایت کرنے اور کبھی ناکامیٔ عمل کے حقیقی اسباب کا کھوج لگاتے کے بجائے اُس کا الزام نظریہ اور طریق کار یا قیادت کے سر رکھنے کی وجہ سے بڑی تراعات

پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر غلط قسم کی مفاخرت کرنے اور الزامات لگانے سے بچ کر ٹھنڈے ماحول میں حالات کا تجزیہ کرنا چاہیے۔ اس تجزیے میں اپنے ایمانیات، اپنے اُصولوں، اپنے برسوں کے مسلّمات اور اپنی مستقل دستوری و اخلاقی روایات کو ہمیشہ بالاتر رکھنا چاہیے۔

وہ تمام باتیں جنھیں ہم نے برسوں پہلے لمبے غور و فکر کے بعد ٹھونک بجا کر قبول کیا ہے ـــــ اور معاشرے پر اُن کے غلبے کی مشکلات اور ان مشکلات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے طویل جدوجہد کا تصور سامنے رکھ کر قبول کیا ہے ـــــ اب ہوائے وقت کے کسی خوشگوار یا ناخوشگوار جھونکے کی وجہ سے ہم اُن کو بے وزن نہیں قرار دے سکتے بلکہ یہ بھی قبول نہیں ہے کہ اُن پر مخالفانہ سوال اُٹھانے اور تردیدی بحثیں کرنے کی راہیں کھولی جائیں۔ جو چیزیں ہماری اساس ہیں، اگر وہ قابلِ تزلزل ہیں تو ان پر پھر کوئی تعمیر ترکجا، کوئی ایک ردہ بھی پائیدار نہیں ہو سکتا۔

حالات و واقعات پر غور ضرور کیجیے، مگر ٹھنڈے ماحول میں کیجیے۔ پیار بھرے انداز سے کیجیے، ایک دوسرے کا منہ نہ نوچیے۔ ایک دوسرے پر پھبتیاں نہ ماریئے۔ اپنے محکم اساسی اُصول و مقاصد اور روایات و اقدار کی طرف اشتباہ کی انگلی اُٹھانے یا اعتراض کا وار کرنے سے پہلے اپنی کوتاہیٔ عمل کا محاسبہ ضرور کر لیجیے۔ (یہ سطور ۱۹ فروری کو لکھی گئیں)۔

احتیاط

ترجمان القرآن میں ضرورتِ استدلال کے لیے آیات و احادیث شائع ہوتی رہتی ہیں۔ قارئین سے گذارش ہے کہ جن اوراق پر آیات و احادیث ہوں۔ اُن کا خاص احترام ملحوظ رکھیں تاکہ بے ادبی نہ ہونے پائے۔ (ادارہ)